سُورَةُ التَّكوِير

عربی متن — با محاورہ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَةُ التَّكوِير ﴿۸۱﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سورۃ التَّکوِیر پڑھنا شروع کرتا ہوں)

إِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ﴿۱﴾

۱۔جب سورج تاریک کر دیا جائے گا،

وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتۡ﴿۲﴾

۲۔اور جب ستارے دھندلا جائیں گے،

وَإِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ﴿۳﴾

۳۔اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے،

وَإِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ﴿٤﴾

۴۔اور اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں گی،

وَإِذَا الۡوُحُوشُ حُشِرَتۡ﴿٥﴾

۵۔اور جب وحشی اکھٹے کئے جائیں گے،

وَإِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ﴿٦﴾

۶۔اور جب دریا خشک کر دئے جائیں گے۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتۡ﴿٧﴾

۷۔اور جب لوگ باہم ملا دئے جائیں گے۔

وَإِذَا الۡمَوۡءُودَةُ سُئِلَتۡ﴿٨﴾

۸۔اور زندہ در گور کی ہوئی کے متعلق پُرسش ہو گی۔

بِأَيِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتۡ﴿٩﴾

۹۔کہ آخر کس گناہ کی بنا پر اُسے قتل کیا گیا۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ﴿۱۰﴾

۱۰۔اور جب کتابیں پھیلائی جائیں گی،

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتۡ﴿۱۱﴾

۱۱۔اور جب بلندیوں کا انکشاف ہو جائے گا،

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ﴿١٢﴾	۱۲۔اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی،
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ﴿١٣﴾	۱۳۔اور جب جنت قریب کردی جائے گی،
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ﴿١٤﴾	۱۴۔تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ (اپنے ہمراہ اعمال کا) کیا (ذخیرہ) لایا ہے۔
فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ﴿١٥﴾	۱۵۔میں تو قسم کھاتا ہوں انکی جو ایک طرف کو چلتے چلتے اُلٹے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں۔
الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴿١٦﴾	۱۶۔(اور) سیدھے چلنے والوں، چُھپنے والوں کی،
وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ﴿١٧﴾	۱۷۔اور رات کی جب اس کی تاریکی ہلکی ہونے لگے،
وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴿١٨﴾	۱۸۔اور صبح کی جب وہ طلوع ہو۔
إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴿١٩﴾	۱۹۔کہ یہ (قرآن مجید) یقیناً ایک معزز رسول پر (اُترا ہوا) کلام ہے۔
ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴿٢٠﴾	۲۰۔قوت والے پر، صاحبِ عرش کے نزدیک بڑا درجہ رکھنے والے پر (نازل ہوا ہے)،
مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴿٢١﴾	۲۱۔جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور جو امین بھی ہے۔
وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴿٢٢﴾	۲۲۔اور یہ کہ تمہارا (یہ) ساتھی (محمدؐ) ہر گز دیوانہ نہیں۔

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔اور یقیناًاس نے اپنے آپ کو واضح انتہائی مقام پر دیکھا ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲٤﴾

۲۴۔اور یہ غیب کی خبریں بتانے میں ہر گز بخیل (اور مُفتری) نہیں۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔اور یہ کسی مردود شیطان کا کلام نہیں۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲٦﴾

۲۶۔سو (ایسے قرآن اور رسول کو چھوڑ کر) کدھر چلے جا رہے ہو۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾

۲۷یہ تو سب قوموں کیلئے موجبِ شرف ہے،

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ان کیلئے جو تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہیں،

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

ع 1 29 6

۲۹۔اور تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو اللہ سب جہانوں کے رب کی مشیت ہے۔

خلاصہ مضمون: اس سورۃ میں اولاً قیامت کبریٰ کے نشانات اور آخری زمانے یعنی قیامت وسطیٰ کی علامات کا ذکر ہے۔ پھر قرآن مجید کے نزول پر شواہد قدرت کو پیش کیا ہے اور اس کی سچائی کے دلائل دیئے ہیں۔ قیامت کے ہولناک واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ایسی آیتوں کے معنی بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے سورج کا لپیٹ لیا جانا یعنی اس کی روشنی نہیں رہتی۔ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ عام اندھیرے کا تھا۔ یہی حال درجہ بدرجہ اولیاء امت اور مجددین کے زمانے کا ہے۔ اس میں جو بات بقدر مشترک بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا جب

یہ نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ قیامت میں ایسا ہی ہوگا۔ ہم ظاہری الفاظ کے موافق اس پر ایمان لاتے ہیں مگر ذوالمعارف قرآن مجید میں ان امور کے کچھ اور حقائق بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اسلام فتح پائے گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس دنیا میں بھی ایک روحانی قیامت برپا ہوگی۔ پھر اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں آخری زمانہ کے متعلق عظیم الشان پیشگوئیاں بھی ہیں اور اس کے نام التکویر میں یہ بتایا ہے کہ اس وقت پہلے مذاہب کی صف لپیٹ دی جائے گی اور قرآن مجید کے ذیعہ دنیامیں علم و شرف پھیلے گا۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾

۱۔جب سورج تاریک کر دیا جائے گا،

۱:۸۱۔الشَّمْسُ: شمس کے معنی سورج اور ضیاءالشمس یعنی دھوپ۔ سورۃ الفرقان میں (ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا (۲۵:۴۵) میں کفر کی ظلمت کو مٹانے والی چیز یعنی نبی کا وجود، قرآن مجید اور وحی الٰہی کو قرار دیا گیا ہے جو بطور شمس کے ہے۔ (الاحزاب ۴۶:۳۳) میں آنحضرت ﷺ کو سورج قرار دیا گیا۔

كُوِّرَتْ: کے معنی عکرمہؓ، قتادہؒ، اور مجاہدؒ نے بے نور اور تاریک کر دینے کے کیے ہیں۔ آیت میں بتایا ہے کہ جب سورج کی نوری صف لپیٹی جائے گی۔ آفتاب جو نظام عالم میں ایک عظیم الشان طاقت ہے۔ اگر وہ تاریک و تار ہو جائے تو نظام عالم میں فساد عظیم برپا ہو جائے۔ اسی طرح جب حقیقی شریعت کا لانے والا دنیا میں نہیں ہوتا اور اس سے بُعد زمانی و مکانی ہو جاتا ہے تو سخت روحانی تاریکی پھیل جاتی ہے۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سورج تاریک ہو کر یہ نظام کائنات برہم ہو جائے گا اور قرب قیامت میں روحانی لحاظ سے دنیا میں سخت ظلمت، معصیت اور فسق و فجور کی تاریکی پھیل جائے گی اور نور ہدایت سے لوگ دور ہو جائیں گے۔

وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾

۲۔اور جب ستارے دھندلا جائیں گے،

۸۱:۲۔النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ: ستارے دھندلا جائیں گے اور ماند پڑ جائیں گے اور ربانی علما کا نور جاتا رہے گا۔ یا یوں کہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایک دُور کا زمانہ آئے گا جب کہ اصحاب النبی کا وجود بھی نہ ہوگا اور ان کے روحانی اثرات بھی ماند پڑ جائیں گے، ان کی پیروی بھی جاتی رہے گی۔ حدیث میں اصحاب النبی کو نجوم کہا گیا ہے۔ **اصحابی کالنجوم** (بیہقیؒ)۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ستارے گر جائیں گے، شہب گریں گے۔

انْكَدَرَتْ: انکدار اوہ تغیر ہے جو ایک چیز کے بکھر جانے سے ہو (مفردات)۔

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾

۳۔اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے،

۸۱:۳۔الْجِبَالُ: جب قیامت برپا ہوگی تو فی الواقع پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے اور دنیا میں اس طرح کہ پہاڑوں کو کھود کر ہموار راستے بنائے جائیں گے۔ نیز یہ کہ سلطنت ہائے عظیمہ میں جنگ شروع ہو کر بعض سلطنتیں کمزور اور تباہ ہو جائیں گی۔ کیونکہ جبال سے سلاطین اور بڑے بڑے لوگ اور قومیں بھی مراد ہیں۔ اور اسلام کی ترقی کے راستے میں جو سنگ گراں بنے ہوئے ہیں ختم ہو جائیں گے۔

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾

۴۔اور اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں گی،

۸۱:۴۔الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: اعلیٰ درجے کی اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی، ان کی قدر و منزلت نہ رہے گی اور سرعت روی کا کام ان سے لینے کی ضرورت نہ رہے گی۔ **عشار** دس مہینے کی گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں (مفردات)، جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز تھی۔ یہ آیت اس بات پر بھی

دلالت کرتی ہے کہ موعود مسیح کے زمانے میں ایسی سواریاں اور بار برداری کے سامان پیدا ہو جائیں گے کہ اونٹنیوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی اونٹنیاں بھی اپنی اہمیت اور عظمت کھودیں گی۔ نہ غذا کے لیے نہ بار برداری کے لیے۔ اسی کے مطابق حدیث صحیح میں آیا ہے: وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلاَصُ فَلاَ يُسْعَى عَلَيْهَا (مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم، حدیث: ۴۰۴)۔ اور ایک یہ بھی معنی ہیں کہ اس زمانہ میں اونٹوں کی زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا اور یوں احکام شریعت اٹھ جائیں گے۔ پھر ایک یہ معنی بھی ہیں کہ زمین عرب میں عشر معطل ہو جائے گا۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابہ تجارت وغیرہ چھوڑ کر دین کے کاموں میں لگ گئے تھے، اس طرح بھی عشار معطل ہوئیں۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾

۵۔ اور جب وحشی اکھٹے کئے جائیں گے،

۸۱:۵۔ الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ: وحوش اُن حیوانات کو کہا جاتا ہے جو انسان سے اُنس نہیں رکھتے (مفردات)۔ مراد ہے کہ جس وقت وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی۔ ان میں انسانیت اور تہذیب آجائے گی اور ازلی دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جائیں گے۔ بباعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ بلکہ کلید دولت و عنان حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ آج جو وحشی سمجھے جاتے ہیں اس وقت جمعیت کا موجب سمجھے جائیں گے۔ نیز یہ مطلب بھی واقعہ کے رنگ میں ہے کہ اس وقت وحوش کو جمع کرنے کے لیے چڑیا گھر وغیرہ قائم کیے جائیں گے اور ہر قسم کے جانوروں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ اور یہ کہ بعض ملکوں کے ابتدائی باشندوں کو عملاً برباد کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ امریکہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں ہوا۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾

٦۔اور جب دریا خشک کر دئے جائیں گے۔

۸۱:٦۔الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: ۱۔جب دریا سکھائے جائیں گے اور ان سے نہریں نکالی جائیں گی؛ ۲۔بحار کے معنی شہر بھی ہیں اور سُجَّر کے معنی بھر جائیں گے۔یعنی آبادی کا رُخ دیہات سے شہروں کی طرف ہو جائے گا؛ ۳۔علوم دینیہ جاتے رہیں گے۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾

٧۔اور جب لوگ باہم ملا دئے جائیں گے۔

۸۱:٧۔النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ: نفوس باہم ملا دیئے جائیں گے۔یہ تعلقات اقوام و بلاد کی طرف اشارہ ہے۔مطلب یہ کہ اس زمانے میں آمد و رفت کے وسائل اور اسباب تعلقات ایسے ہو جائیں گے کہ گویا کل دنیا ایک شہر کا حکم رکھے گی۔دیکھ لو ریلوں، جہازوں، ڈاک اور تار وغیرہ ایجادات کے ذریعے تعلقات میں کیسی سہولت پیدا ہوگئی ہے اور میل ملاپ بڑھ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے یہ معنی کیے ہیں کہ ہم خیال لوگوں کی انجمنیں بن جائیں گی (ابن ابی حاتمؒ)۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾
بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

٨۔اور زندہ در گور کی ہوئی کے متعلق پرسش ہو گی۔

٩۔کہ آخر کس گناہ کی بنا پر اسے قتل کیا گیا۔

۸۱:۸۔ الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ: وأد بلند سخت اواز کو کہتے ہیں۔اور زندہ در گور کرنے کو۔ مَوْءُودَةَ وہ ہے جو زندہ در گور کی گئی ہو (لسان العرب)۔مراد ہے کہ ناکردہ گناہ لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے والوں سے مؤاخذہ ہوگا اور یہ جرم قابل گرفت و سزا ہوگا۔عورت کو تعلیم نہ دینا

بھی ایک رنگ میں زندہ در گور کرنا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی اس بُری رسم کے خلاف آواز اٹھتی رہتی تھی چنانچہ زید بن عمرو بن نفیل اور صعصعۃ بن ناجیۃ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے لڑکیوں کے قتل اور زندہ در گور کرنے کی رسم کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لیکن فی الحقیقت عملاً اس کا قلع قمع اسلام نے کیا اور اس کے محرکات کو دور کیا جو بنیادی طور پر دو تھے۔ ایک یہ کہ سمجھا جاتا تھا کہ لڑکیوں کی کثرت مالی بوجھ کا موجب ہے۔ دوسرے جب جنگوں میں وہ پکڑی جاتی تھیں تو دشمن فوج کے سپاہی ان سے ناپاک حرکات کرتے تھے جو عزت نفس کے منافی تھا۔ عمدہ علم جو شائع نہ کیا جائے وہ بھی مؤدہ ہے۔ عورتوں کا جاہل رکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور جب کتابیں پھیلائی جائیں گی،

۸۱:۱۰۔ الصُّحُفُ نُشِرَتْ: ہر قسم کی کتابوں اور اخباروں وغیرہ کی اشاعت کا زمانہ ہوگا۔ اس کے لیے پریس اور کاغذ اور مختلف قسم کی تحریروں اور چھاپہ خانوں کی ایجاد حیرت انگیز ہوگی۔ قدیم نایاب کتب اور علوم کی اشاعت و طباعت ہوگی۔ آج اخبارات، رسالہ جات اور دوسری کتب کی اشاعت کا اندازہ لگائیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ قرآن کا کتنا بڑا معجزہ ہے کہ ہر قسم کی ترقیاں جو آج اشاعت سے متعلق ہیں ان سب کی پیشگوئی کی اور وہ بڑی شوکت سے پوری ہوئی۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور جب بلندیوں کا انکشاف ہو جائے گا،

۸۱:۱۱۔ السَّمَآءُ كُشِطَتْ: كَشَط کے معنی ہیں ایک چیز کو کھینچ لیا یا اکھیڑ دیا۔ یا اُس کا پردہ اُتار دیا (لسان العرب)۔ مراد ہے کہ وہ زمانہ کشف اسرار اور الٰہی انعامات کا زمانہ ہوگا۔ آسمانی

علوم حقہ کا نزول بھی ہو گا۔ علوم ہیئت اور نجوم و سائنس کے متعلق بھی بہت تحقیقات ہو گی۔ آسمانی اجرام اور علم آفاق کے متعلق باریک در باریک اسرار و غوامض معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس فن میں عجیب عجیب ترقیاں ہوں گی۔ آج جو لوگ سائنس کے کرشموں سے واقفیت رکھتے ہیں اور اس بارے میں تازہ تحقیقاتوں سے باخبر ہیں خوب جانتے ہیں کہ قرآن کی یہ پیشگوئی نہایت عظمت و نشان سے پوری ہوئی ہے۔

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾
۱۲۔اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی،
۱۳۔اور جب جنت قریب کر دی جائے گی،
۱۴۔تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ (اپنے ہمراہ اعمال کا) کیا (ذخیرہ) لایا ہے۔

۸۱:۱۲۔الْجَحِيْمُ: فی زمانہ اسباب تنعم بڑھ گئے ہیں اور حرص و ہوا کا غلبہ ہے اور پیٹ کی دوزخ بھرنے پر لوگ شدت سے مائل ہیں اور اسباب مصائب و شدائد بھی بڑھ گئے ہیں جنگوں کی تباہی ہو گی۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ اس زمانہ میں معمولی نیکی بھی بڑے ثواب کا موجب ہو گی۔ یہی جہنم کا بھڑکا یا جانا اور جنت کا قریب لایا جانا ہے۔

ابتداء سورۃ سے بارہ آیتوں میں کلام ذوالمعارف کئی ایک مضامین کو ساتھ لیے بڑی بلاغت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ قیامت کے احوال اور مبادی قیامت دونوں کو نہایت خوبی سے ادا فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ بعض اہل تاویل کی یہ رائے ہے کہ بارہ حوادث موت کے وقت جسے قیامت صغریٰ کہتے ہیں پیش آتے ہیں۔ انسان کی روح بمنزلہ آفتاب کے ہے جس کی شعاع سے اس کا بدن زندہ اور باقی رہتا ہے۔ روح کا نکلنا کیا ہے، گویا

تکویر شمس ہے۔ اس کے حواس اور قویٰ کا موت کے وقت بیکار ہونا انکدار نجوم ہے۔ اعضاءِ رئیسہ کا باطل ہونا ان پہاڑوں کی جنبش ہے۔ ہڈیوں کی چربی اور دودھ کا خشک ہونا تعطل عشار ہے۔ افعال بہیمیہ و سبعیہ کے نتائج کا ظہور حشر وحوش ہے۔ رطوبات بدن اور خون کا خشک ہونا دریاؤں کا سوکھ جانا ہے۔ کبھی یہ دریا موت کے وقت سوکھ جاتے ہیں اور کبھی بہادیئے جاتے ہیں۔ حضرات صوفیانے بھی ان بارہ حالتوں کو مراتب سلوک کے طے کرنے پر حمل کیا ہے۔ غرض اس قسم کے کلام ذوالمعارف جو پیشگوئیوں پر بھی مشتمل ہوں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور واقعات صحیحہ وحقہ پر بھی مشتمل کسی دیوانے کی زبان سے ہر گز نہیں نکل سکتے۔

سُعِّرَتْ : کا لفظ دونوں معنوں پر مشتمل ہے۔ ملکاتِ مکسوبہ کا باہم اجتماع یعنی ظلماتی کا ظلماتی سے اور نورانی کا نورانی سے تزویج نفوس ہے۔ زندگی کے گراں قدر حصہ کو جو اس دارالمحن میں طرح طرح کی مشقتوں کے نیچے دبایا گیا ہے۔ فرمایا کہ اس کو ثواب کے مصرفوں میں خرچ کیا یا گناہ کے۔ نامہ اعمال کا کھلنا نشر صحائف ہے۔ آخرت کی جزاو سزا کا عیاں ہو جانا روح پر اکشاط سماء یعنی سماوی امور کا اس پر کھل جانا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق، ۲۲: ۵۰)۔ بعد الموت شدائد و مصائب کا دیکھنا سلگتے ہوئے جہنم کا دیکھنا ہے اور فرحت و نیک جزا کا دیکھنا جنت کا نزدیک ہونا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ میں تو قسم کھاتا ہوں انکی جو ایک طرف کو چلتے چلتے اُلٹے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں۔

۸۱:۱۵۔فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ: خَنَسَ کے معنی ہیں ہٹ گیا، پیچھے رہ گیا (لسان العرب)۔ سورج کی روشنی سے ستاروں کا ماند پڑ جانا بھی خَنَس ہے اور خُنَّس دجال کے گروہ کو کہتے ہیں۔ شیطان کو خناس اِسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ وہ بندے کی طرف وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور پھر جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے (الناس ۴: ۱۱۴)۔ یہ کلام بھی کلام ذوالمعارف ہے۔

اس آیت کے شروع میں لَا نافیہ آیا ہے۔ یہ مخاطب کے مافی الضمیر پر انکاری طریق کلام کا آغاز لَا کے لفظ سے کیا گیا ہے جو منکران بعث بعد الموت، قرآن، اسلام اور نبیوں کے سردار پاک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر میں رچا ہوا تھا۔ گو یا یہ ان کے مافی الضمیر کا رد ہے۔

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔(اور) سیدھے چلنے والوں، چھپنے والوں کی،

۸۱:۱۶۔جَوَارِ: جوار جمع ہے جاریۃ کی یعنی ایک انداز پر چلنے والے اور کبھی الٹے چلنے لگتے ہیں یعنی جدھر سے آئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں خُنَّس کہتے ہیں۔ خنس جمع ہے خانس اور خانسۃ کی۔ ان کی چال ہمیشہ ایک طرح کی نہیں رہتی بلکہ ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ جیسے کوئی متحیر زدہ شخص ایک طرف جاتا ہے پھر لوٹ آتا ہے۔ یاد رہے کہ پانچ سیارے یعنی زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد ایسے ہیں جن کی عجیب حیرت ناک چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے ایک طرف چلتے ہیں اور اس لحاظ سے انہیں جَوَارِ کہتے ہیں۔ اسی لیے ان پانچ سیاروں کو خَمسَۃ مُتَحَيِّرَۃ کہتے ہیں۔ یا تو مشرق سے مغرب بترتیب بروج چل رہے تھے کہ برج حمل سے برج ثور اور برج ثور سے برج جوزا کو طے کر رہے تھے یا یکایک حرکت رک گئی اور اُلٹے مغرب سے مشرق کو چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت، دوسری کو وقوف اور تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔ ان سیاروں کی اس طرح کی چالیں اور ان کے تغیرات صریحاً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا نظام ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جو علیم و حکیم ہے اور ایسے تصرفات پر قادر ہے۔ پھر قیامت کے تغیرات اس کے لیے کیوں ناممکن ہونے لگے۔ پھر یہ نظارہ قدرت کلام الٰہی کے نزول پر بھی اس طرح گواہ ہے کہ ان سیاروں کا وجود انسان کی جسمانی ضروریات کے تہیہ اور تکفل کے لیے ایک بڑا ذریعہ ہے۔ جو لوگ سیاروں کی سائنس کے ماہر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سیاروں کا اثر زمین پر اور اہل زمین پر کس طرح ہوتا ہے اور وہ زمین کی

پیداوار، اس کی زرخیزی اور دوسری اشیاء پر کس طرح اثر ڈالتے ہیں۔ تو جس ذات پاک نے انسان کی فانی اور آنی ضرورتوں کے لیے اتنا بڑا سامان کیا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ابدی اور غیر فانی زندگی کے لیے کلام الٰہی کا سامان نہ کرے۔ پھر اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ کفر اب تین طرح سے ٹوٹے گا۔ اوّل: کفر کی ترقی تھم جائے گی، دبک جائے گی، پسپا ہو جائے گی۔ دوم: کچھ لوگ روبراہ ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ باقی رہے سہے پر جھاڑو پھیر دی جائے گی۔ آسمانی بلاؤں سے، زمینی آفات سے، اپنی شروع کی ہوئی جنگوں سے کفر کا صفایا ہو جائے گا۔ یہی اس کے لیے تکنس ہے۔ **كَنَسَ:** كَنَسَ الظَبئُ کے معنی ہیں ہرن غائب ہو گیا اور اپنی کناس میں چھپ گیا۔ اسی سے کانِس ہے جس کی جمع کُنَّس ہے یعنی غائب ہو جانے والے (لسان العرب)۔

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾
وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾
۱۷۔اور رات کی جب اس کی تاریکی ہلکی ہونے لگے،
۱۸۔اور صبح کی جب وہ طلوع ہو۔

۸۱:۱۷۔وَ الَّيْلِ: سماوات کے بعد اب زمین کے نظائر پیش کیے ہیں کہ رات کو دیکھو کہ جب وہ ختم ہونے لگتی ہے تو صبح صادق ضرور نمودار ہوتی ہے۔ یہی رنگ دنیا میں کلام الٰہی کے آنے کا ہے۔ جب دنیا فسق و فجور سے سیاہ ہو جاتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی صبح ضرور نمودار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ نور حق کی شمع لے کر آجاتا ہے۔ اسی طرح قرآن آیا۔ دنیا کی حالت بگڑ گئی تھی اور کوئی صداقت کی روشنی نہ تھی تب محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کے ظہور سے آفتاب صداقت طلوع ہوا۔ صحابہؓ کی زبان سے کہا گیا ہے۔

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

عَسْعَسَ: کالفظ اضداد سے ہے جس کے معنی اَقبَلَ آنے اور اَدبَرَ جانے کے ہیں یعنی کفر گیا اور اس کی جگہ اسلام نے لے لی۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ(آل عمران،۱۴۰: ۳) کے معنی بھی لیل کے تَعَسعَس اور صبح کے تنفس کے قریب قریب ہیں۔ عَسْعَسَ کے لفظ سے زمین کا گول ہونا یوں سمجھ لیجئے کہ جب رات زمین کے ایک حصے سے گئی اور اس پر دن آیا تو زمین کی دوسری طرف والوں پر رات آئی۔ کیونکہ عِساس اندھیرے کے ہلکا ہونے کا نام ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾
ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾
۱۹۔ کہ یہ (قرآن مجید) یقیناً ایک معزز رسول پر (اُترا ہوا) کلام ہے۔
۲۰۔ قوت والے پر، صاحبِ عرش کے نزدیک بڑا درجہ رکھنے والے پر (نازل ہوا ہے)،

۸۱:۱۹۔قَوْلِ: کے معنی ہیں تلفُّظ و قرأت یعنی یہ قرآن مجید ایک مکرم رسول کے ذریعہ پہنچایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اپنے منہ سے اس رسول اکرم ﷺ نے دنیا کو سنایا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے الفاظ سنے اور انہیں آگے دنیا کو سنایا۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ مفہوم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسے عربی کا جامہ محمد رسول اللہ ﷺم نے پہنایا ہے اور کلام آنحضرت } کا ہے۔ اس میں فضائل قرآن کا مضمون بھی ہے کہ اس کا لانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالی پائے کا مقام رکھتا ہے۔ اتنے بڑے محترم وجود کو اللہ تعالیٰ کی پیام رسانی کے لیے مامور کیا تو اس سے اس کی عظمت کا اندازہ کرو۔ پھر ان آیات میں پیشگوئی اور بشارت ہے کہ یہ رسول عزت پائے گا۔ وہ مکین اور مرتبے والا، مطاع ہوگا اور امین ثابت ہوگا اور آخر اس کے ماننے والے بھی مکرم ہوں گے۔ اور یہی صفات ان میں بھی پیدا ہو جائیں گی۔ اب غور کرو یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں یا

نہیں اور قرآن مجید کے ماننے والوں کو عزت، وقار، تکریم، تمکین، مطاع اور عالم ہونا نصیب ہوا یا نہیں۔ ان واقعات کو دنیا کی تاریخ اپنی گود میں رکھتی ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور جو امین بھی ہے۔

۸۱:۲۱۔ مُطَاعٍ کے معنی مستجاب الدعوات کے بھی ہیں۔ جسے ہم قانون قدرت کہتے ہیں وہ الٰہی تخلیق کا ہی ایک حصہ ہے اور کلام اللہ اس پر حاکم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی صفات یعنی کریم؛، ذی قوت، مکین،، مطاع، امین کے ذکر سے مقصود یہ بھی ہے کہ یہی صفات نبی کامل ﷺ دوسروں میں پیدا کریں گے۔ اور دُنیا میں اِس پاک وجود ﷺ اور قرآن کریم کی بدولت علم اور قوت کی ترقی ہوگی۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور یہ کہ تمہارا (یہ) ساتھی (محمد ﷺ) ہر گز دیوانہ نہیں۔

۸۱:۲۲۔ مَجْنُوْنٍ: اس قدر ذوالمعارف کلام بیان کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ م پر سے جنون کے لغو الزام کو دفع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کیا مجنون ایسی مدلل اور پُر معارف باتیں بیان کر سکتا ہے اور پُر معارف کلام کر سکتا ہے۔ پاگل تو بے تکی باتوں پر پکڑا جاتا ہے۔ مجنون کے ساتھ صَاحِبُكُمْ کے لفظ کے لانے سے یہ غرض ہے کہ جنون کی پوری پہچان چند ساعت کی مصاحبت سے خوب اچھی طرح نہیں کھلتی، اس کے لیے ایک لمبا عرصہ کی مصاحبت ضروری ہے۔ سورۃ القلم میں بھی یہ سمجھایا ہے کہ تحریر و کلام میں مجنون ذرہ بھی باربط عبارت سے نہیں چل سکتا۔ اسی طرح مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (سبا،۴۶:۳۴) میں بھی مصاحبت ہی سے جنون کو پہچانوایا ہے۔ پیغمبر ﷺ م کا اسی دنیا میں مکرم، ذی قوۃ، مکین اور مطاع ہو جانا بھی جنون

کے اعتراض کی تردید میں ہے۔ یعنی یہ رسول اعلیٰ درجہ کی عزت والا، طاقتوں والا، رتبے والا، ملائکہ اس کے ماتحت چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے کا امین اور مستجاب الدعوات ہے۔

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور یقیناً اُس نے اپنے آپ کو واضح انتہائی مقام پر دیکھا ہے۔

۸۱:۲۳۔ بِالْاُفُقِ: اس میں مجنون کے الزام کو دور کرنے کے لیے ایک اور دلیل دی ہے کہ کیا مجنون کی بڑیں حقیقت کا رنگ اختیار کر لیا کرتی ہیں۔ یہاں آنحضرت ﷺ کی کامیابیوں کی پیشگوئی بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور اس میں آپ کے انتہائی بلندیوں کے پانے کا ذکر بھی ہے اور زمین کے کناروں تک شہرت پانے کا بھی۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲٤﴾

۲۴۔ اور یہ غیب کی خبریں بتانے میں ہر گز بخیل (اور مُفتری) نہیں۔

۸۱:۲۴۔ بِضَنِیْنٍ: ۱۔ بخیل، ۲۔ اپنے پاس سے بات بنانے والا۔ ۳۔ کسی پسندیدہ اور مرغوب شئے سے بخل کرنے والا (مفردات)۔ اما راغبؒ نے اِس کے معنے یہ کیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی ملتی ہے وہ اِس کے عام کرنے میں بخل نہیں کرتے (مفردات)۔ یعنی اس نے بہت سے غیب سے پردہ اٹھایا ہے۔ محض دو چار باتین بیان نہیں کیں پھر وہ مستقبل قریب سے تعلق رکھتی ہیں اور مستقبل بعید سے بھی۔ اور یہ صرف خود ہی غیب نہیں بیان کرتا بلکہ دوسروں کو بھی غیبی قوت دیتا ہے۔ اور اس کی زندگی بھی بے داغ رہی ہے، اس پر پہلے اتہام نہیں لگتے رہے۔ بِضَنِیْنٍ یعنی اپنے پاس سے بات بنانے والا نہیں اور آسمانی خبروں اور معاد کے احوال بتانے میں بخیل نہیں۔ ایسے کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔اور یہ کسی مردود شیطان کا کلام نہیں۔

۸۱:۲۵۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ: اس قرآن پر غور کر کے دیکھ لو کس طرح غیب کا بحر ذخار اس میں موجزن ہے جبکہ مردود شیطان کو اس کوچے میں کوئی دخل نہیں۔ ان کے متعلق (الشعراء، ۲۱۲:۲۶) کا حکم ہے۔ یعنی شیطان وحی الہی کے سُننے سے دُور رکھے گئے ہیں۔ پھر اس مدعی کا قدم تو دن بدن مسلسل فوز و فلاح اور ترقی کی طرف ہے اس میں ناکامی کا تو کوئی نشان ہی نہیں پایا جاتا اور ہر جہت سے اللہ تعالیٰ کے افضال اس پر برس رہے ہیں۔ وہ قوم کا مرجع ہے۔ اس کے فیض سے فیض پانے والے مقبول الٰہی ہیں اور نیکیوں میں ترقی کر رہے ہیں۔ کسی معرکہ سے بھاگتے نہیں بلکہ ان کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ ان میں اخفا کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ سب تعلیم اور سب کام روز روشن میں ہیں۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾

۲۶۔ سو (ایسے قرآن اور رسول کو چھوڑ کر) کدھر چلے جا رہے ہو۔

۲۷ یہ تو سب قوموں کیلئے موجبِ شرف ہے،

۲۸۔ان کیلئے جو تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہیں،

۸۱:۲۶۔تَذْهَبُونَ: فرمایا لوگو! قرآن مجید کو چھوڑ کر تم کون سا راستہ اختیار کرتے ہو۔ دوسرا کوئی راستہ تمہارے لیے اچھا نہیں۔ دیکھو! یہ قرآن مجید کل دنیا کا ہدایت نامہ ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا میں تاریخی قوم بنا دینے والا ہے۔ اسے مت چھوڑو۔ یہ تمہاری فطرتوں کے مطابق ہے اور اس کی جن باتوں کو تم نے بھلا رکھا ہے یہ اُن کی یاد دلاتا ہے۔ یہ تو سب قوموں کے لئیے موجب شرف ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔اور تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو اللہ سب جہانوں کے رب کی مشیت ہے۔

۸۱:۲۹۔أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ: اس میں بتایا ہے کہ استقامت اور ہدایت حاصل کرنے کا ایک ہی گر اور اصل ہے کہ انسان اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔اور نہ چاہے مگر وہی جو رضائے الٰہی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی تم چاہو۔ عموماً لوگ اس آیت کے غلط معنی کر دیتے ہیں۔ معنی ہیں تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو رضائے الٰہی ہو۔ ان آیات کریمہ سے بعض نافہموں نے انسان کے مجبور ہونے پر استدلال کیا ہے۔ آیت میں واؤ حالیہ ہے۔اس کے معنی ہوئے حالانکہ نہ چاہو گے تم مگر وہی جو رضاء الٰہی ہو گویا تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو رضاء الٰہی ہو۔ معدوم کو موجود کرنا خدا کا کام ہے۔ہاں حیوان اور انسان کے دل میں کسی ارادے اور مشیت کا پیدا کر دینا بے شک باری تعالیٰ کا کام ہے۔ الّاہر ایک منصف جانتا ہے کہ صرف مشیت اور ارادے کے وجود سے کسی فعل کا وجود ہونا ضروری اور لازمی نہیں۔ یقینا قویٰ فطری کا خلق اور عطا کرنا جن پر ہر گونہ افعال کا وجود و ظہور مترتّب اور متفرّع ہو سکتا ہے خالق ہی کا کام ہے۔اس لطیف نکتہ کو سمجھانے کے لیے نیز اس امر کے اظہار کرنے کو کہ قویٰ طبعی اور کائنات سے کوئی وجود اصل امر خلق میں شریک نہیں۔ سب اشیاء کی علت العلل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ باری تعالیٰ سب افعال کو بلکہ ان افعال کو بھی جو ہم معائنہ اور مشاہدہ کے طور پر انسان اور حیوان سے سرزد ہوتے دیکھتے ہیں اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ کہیں قرآن میں فرماتا ہے ہوا بادلوں کو ہانک لاتی ہیں۔ کہیں فرماتا ہے ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں۔ ہم ہی گائیوں اور بھینسوں کے تھنوں میں دودھ بناتے ہیں۔ ہم ہی اناج بوتے ہیں۔ ہم ہی کھیت اگاتے ہیں اور تامل کے بعد یہ سب نسبتیں جو ظاہراً متضاد الطرفین ہیں بالکل صحیح اور حقیقتاً بالکل صداقت ہیں۔